ڈاکٹر سبینہ اویس
لیکچرر شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج خواتین یونی ورسٹی، سیال کوٹ

نظیر اکبر آبادی کی نظموں میں عوامی زندگی کی جھلک

Nazir Akbar Abadi is a famous Urdu Poet. Its is well known fact that he remained a sole representative of Urdu literature. He portrait the human feelings, expriences in his poetry. His poetry always represent a great human traditions with the narration of cheerfulness of love and deprivation of human beings. His great poetic art has made the adversities of life tolerable and endurable. Though these qualities of his poetry he is still a source of inspiration for the poeople. In this article, there is an analytical study of his work. Nazir's poetry is said to be more worthy of admiration. No other poet in Urdu literature used as many variety of words as Nazir did. He was called a public poet and his poetry reflected various aspects of the daily life of his era. Poet with common people can be seen laughing, singing, enjoying and playing. He wrote poems about Holi, Dewalli, Eid, Shab-e-Barat. He wrote poems about various aspects of human life.

نظیر اکبر آبادی اردو ادب کے مقبول شاعر ہیں اُنھوں نے نظم کے علاوہ غزل، مثنوی اور شہر آشوب میں بھی طبع آزمائی کی لیکن اُن کو شہرت نظم کی بدولت ملی۔ اگر چہ نظیر کا موضوع انسان، عوام اور عوامی معاشرت ہے۔ بنی نوعِ انسان کی ان کی نظموں میں خاص اہمیت ہے بالخصوص ہندوستانی عوام ان کی انتہائی دل چسپی کا باعث ہے۔ وہ انسان کو انسانی زندگی کے ہر روپ اور ہر پہلو میں دِکھاتے ہیں۔ وہ سادہ لوح افراد کو زندگی کی اونچ نیچ اور نشیب و فراز سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ زندگی کو پُر امن اور پُر سکون بنانے کے خواہش مند تھے۔ وہ انسان اور انسانی زندگی سے متعلقہ ہر چیز میں دل چسپی لیتے۔ وہ انسانی فلاح و بہبود کی فکر میں محو رہتے۔ نظیر کی نظموں میں امراء کے طریقِ زندگی، ان کے روزمرہ کے مشاغل، ان کی تفریح کے اسباب، متوسط طبقے کی طرزِ معاشرت، غرباء کے عادات و اطوار، عام شہریوں کے لھوو

لعب، شہر کے مختلف پیشہ وروں کے چال چلن، ہندوؤں کے تیوہار، مسلم اور ہندو خواتین کے رسم ورواج، خانگی زندگی کی کیفیات، میلے ٹھیلوں کی رنگ رلیاں، غرض عوامی معاشرت کے جتنے بھی کوائف ہیں قریباً سب کا ذکر اُن کی نظموں میں ملتا ہے۔ دراصل نظیر عوام کے شاعر ہیں اور ان کے جذبات وحسیات کی ترجمانی اپنا فرضِ اوّلین سمجھتے تھے۔

نظیر کی شاعری سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انسان کائنات سب سے بیش بہا سرمایہ ہے۔ انسانیت کا سارا حسن عوام سے ہے۔ سماج کی صحت اور آبرو عوام کی زندگی سے وابستہ ہے۔ عوام کی زندگی کی تصویریں مکمل طور پر نظیر کی شاعری میں اُبھر کر سامنے آتی ہیں۔ نظیر نے ایسے موضوعات پر نظمیں لکھیں جن سے عوامی زندگی عبارت ہے ان کی خوشیاں، ان کے رنج وغم، ان کے جذبات وکیفیات، دل چسپیاں، خیالات واعتقادات، توہمات سب نظیر کی نظموں میں بے نقاب ہوتے ہیں۔ نظیر اس امر کے قائل ہیں کہ ہندوستان کی رونق اور دل کشی عوام کے دم سے ہے۔ نظیر نے اپنی نظموں میں ہندوستانی فضا اور ہندوستانی عوام کی زندگی کو اس طرح پیش کیا کہ ان کی زندگی کے تمام نشیب وفراز ہماری نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔ ان کی نظموں میں شہر کی رونق، بازاروں اور خانقاہوں کے مجمعے، عوام کی چیخ وپکار، چہل پہل، عوام کی عیاشی، غرض عوام کی بے تکلف اور سادہ زندگی کا دل چسپ بیان ملتا ہے۔

نظیر طبقاتی تضاد کے مخالف تھے۔ ان کا دل احترامِ انسانیت کے جذبے سے مملو تھا۔ ناروا طبقاتی امتیازات کو دیکھ کر شاعر کا دل کُڑھتا ہے کیوں کہ شاعر ہر انسان کو پیار ومحبت اور ہمدردی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہر انسان مومن وکافر، عابد وعاصی، مرید وپیر، حاکم ومحکوم سب آدمی ہیں۔ حالات نے اُنھیں مختلف راہوں اور منفرد مقامات پر کھڑا کر دیا ہے کوئی گمراہی کی ڈگر پر چل نکلا اور کوئی ہمدردی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ کوئی پیار ومحبت کا متلاشی رہا اور کوئی اپنی ناتمام آرزوؤں اور حسرتوں کو لے کر رخصت ہوا۔ نظیر کے نزدیک ہر انسان رشتۂ انسانیت کی ڈور میں بندھا ہوا ہے۔ ہر آدمی کا مقام ومنصب بحیثیت ''انسان'' اعلیٰ ہے۔ نظیر اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اِس طرح کرتے ہیں:

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی — اور آدمی ہی تیغ کو مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی — چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی [1]

عوام وخواص کی طبقاتی کش مکش اور مادی تضاد وتصادم نظیر کی شاعری میں نمایاں ہے خواہ وہ عشق ومحبت کا بیان ہو یا ہجر ووصال کا معاملہ، موسموں کا تذکرہ ہو یا میلوں کی گہما گہمی، یہ تضاد شاعر کے لیے ایذا رساں ہے۔ جب وہ اس فرق کو محسوس کرتے ہیں تو فوراً موت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اکثر وبیش تر نظیر نے موت کا تذکرہ امیروں کے لیے کیا ہے کہ امیر لوگ دولت جمع کرنے کے بعد مساوی تقسیم نہیں کرتے تو موت اس کو لٹا دیتی ہے۔ نظیر قارئین کو دعوتِ فکر دیتے ہیں:

گر اپنا ہوا منصب و جاگیر کا نقشہ — اور ایک کو مر مر کے ملا بھیک کا ٹکڑا
کیا فرق ہوا دونوں میں جب مرنا ہی ٹھہرا — اس نے کوئی دم بیٹھ کے آرام سے کھایا
وہ مانگتا در در پھرا خیرات تو پھر کیا [2]

نظیر کی شاعری کی نشو ونما ایک عجیب کش مکش کے دور میں ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب مغلیہ سلطنت تقریباً ختم ہو رہی تھی۔ نادر شاہی قتل عام تھا۔ معاشی استحصال کا راج تھا۔ شخصی نظام حکومت میں بیرونی حملوں کے خطرات، ان کا مدافعانہ بندوبست اور اندرونی سازشیں عوام کی معاش کو متاثر کر رہی تھیں۔ محولہ بالا حالات معاشرے کی اعلیٰ اور مثبت قدروں پر اچھے اثرات مرتب نہ کر سکے۔ نظیر کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے مندرجہ بالا حالات میں ''عوام'' اور ''عوامی زندگی'' کو اہمیت دی۔ جب عوام مایوسی وناامیدی کے دہانے پر کھڑے تھے اُنھوں

نے زندہ دلی اور رجائیت کے نغمے گنگنائے۔ اُنھوں نے عوام کو زندگی کی خوشیوں سے لطف اندوز ہونے کی ترغیب دی۔

نظیر نے کثرت سے عوام اور عوامی زندگی کی تصویریں اپنی شاعری میں پیش کیں۔ اگر چہ نظیر سے قبل شاعر اور شاعری کا تعلق زیادہ تر شاہی دربار سے تھا۔ بیش تر شعرا اپنے بادشاہوں اور امراء کی شان میں مدحیہ قصیدے لکھ کر اُنھیں خوش کرتے اور انعام سے نوازے جاتے۔ جب کہ نظیر نے اپنی شاعری کا رشتہ معاشرے اور عوامی زندگی سے جوڑا۔ اُنھوں نے اپنے دور کے عام رجحان کے برخلاف ایسی شاعری کی جس میں انسانی زندگی کا ہر پہلو اُجاگر ہو کر سامنے آتا ہے۔ نظیر نے عوام کے جذبات کی ترجمانی کی اور اپنی شاعری کو عوام اور عوامی زندگی سے متعلقہ مسائل کا آئینہ دار بنایا۔

عبدالباری آسی لکھتے ہیں:

''نظیر نے عوام کے جذبات کی ترجمانی کی تو عوام ہی نے نظیر کو زندہ رکھا''۔[۳]

اقتصادی مسئلہ اقدارِ حیات میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ نظیر نے اپنی نظموں میں اقتصادیات کی اہمیت کو اُجاگر کیا ہے۔ اقتصادی بدحالی کے شکار عوام اپنی زندگی کے تلخ ایام بسر کر رہے ہیں۔ مفلسی اور تنگ دستی نے ان کے ننگ و ناموس، عزت و حرمت اور شرافت و نجابت کو برقرار نہیں رہنے دیا۔ لوگ ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ نظیر اپنی نظم ''مفلسی'' میں قاری کو دردناک حقائق سے آشکار کرتے ہیں۔

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر — دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہرگز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اس کی چاہ — جس طرح کتے لڑتے ہیں ایک استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی[۴]

مفلسی کی دل خراش تصویر پیش کرنے کے بعد اپنی کیفیت کو بھی بیان کرتے ہیں۔

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں — مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اسے بے بتاتے ہیں — وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی[۵]

نظیر چوں کہ معلم کے پیشہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے نظیر عام انسانوں کی صحبت میں رہ کر اُن کی تلخ زندگی کے تصادمات کو نہ صرف محسوس کرتے ہیں بل کہ اپنی شاعری میں اُن کی بے روزگاری، مفلسی اور پریشان حالی کا بیان کر کے لوگوں کی توجہ اس طبقے کی جانب بھی مبذول کرواتے ہیں جو مہنگائی کا شکار ہے۔ جس کو ہر لحہ آٹے دال کے بھاو کی فکر ہے۔ جو دو وقت کی روٹی کو ترستا ہے۔ شاعر نے غریب عوام کو بھوک کی شدت میں تڑپتے دیکھا۔ نظم ''روٹیاں'' میں شاعر ایک بھوکے کی نظر میں روٹی کے تصور کا احساس دلاتے ہیں:

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے — یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کس لیے
وہ سُن کے بولا ، بابا خدا تجھ کو خیر دے — ہم تو نہ چاند سمجھیں ، نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں[۶]

نظیر انسان دوست شاعر اور وسیع المشرب انسان تھے۔ اُنھوں نے ہر مذہب سے تعلق رکھنے والوں کو یکساں اہمیت دی۔ معاشرے کی معزز اور بزرگ شخصیتوں کو احترام و عقیدت کی مسند پر بٹھایا۔ اُنھوں نے ہر مذہب کے لوگوں کے ساتھ نیک جذبات و خیالات کا اظہار کیا

اُن کی تعلیمات کو پسند کیا اور عوام کو ان سے سبق حاصل کرنے کا درس دیا۔ انھوں نے بل دیو جی کا میلا، جنم کنہیا جی، معجزۂ حضرت علیؓ، حضرت سلیم چشتی اور گورو نانک پر نظمیں لکھ کر یہ درس دیا کہ اردو شاعری اعلیٰ انسانی اقدار کو برقرار رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مثلاً گورو نانک پر لکھی گئی نظم کے درج ذیل اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کلمات کسی عقیدت مند سکھ یا ہندو کے ہیں۔

کہتے ہیں نانک شاہ نہیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر جگ میں ہیں یوں روشن جیسے ماہ گرو
مقصود مراد اُمید سبھی بر لاتے ہیں دل خواہ گرو
نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو[۷]

نظیر ایک غیر متعصب انسان تھے وہ غریبوں میں بیٹھتے تھے ان کا ذہن مذہبی تضادات سے بالاتر تھا۔ یہ متھرا اور بندرابن کے تیرتھوں میں جاتے تھے وہیں مسلمانوں کے عرس، شب برأت، عید، تیواروں میں شریک ہوتے تو ساتھ ہی ہندوؤں کے میلوں، ہولی اور دیوالی سے بھی لطف اندوز ہوتے۔ ان کی تصویریں واقعیت کے ساتھ پیش کرتے وہ اس مسرت سے آشنا تھے کہ دنیا میں سب کچھ انسان کے لیے ہے۔ رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

''ہندوستانی جذبات اس کے دل میں جوش زن ہیں اور وہ مذہبی تعصب اور فرقہ وارانہ جھگڑوں سے بالکل پاک وصاف ہے''۔[۸]

نظیر بے تعصبی اور رواداری کے قائل ہیں۔ اُن کی وطن پرستی اور بلند نظری نے مذہبی اختلافات کو ختم کر دیا۔ نظیر کی مذہبی رواداری کا اندازہ درج ذیل بند سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے:

جھگڑا نہ کرے مذہب و ملت کا کوئی یاں — جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آن
ز نار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآں — عاشق تو قلندر ہے نہ ہندو نہ مسلماں
کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا[۹]

نظیر ایسے حیرت انگیز شاعر تھے کہ کہیں وہ میلے ٹھیلے کی سیر کر رہے ہیں۔ کہیں ہولی کھیل رہے ہیں۔ کہیں عبیر اور گلال اُڑا رہے ہیں۔ کہیں وہ غور وفکر میں مگن ہیں۔ کہیں راہِ حق کے متلاشی ہیں۔ کہیں وہ ذکرِ رسولؐ میں مصروف ہیں۔ کہیں اُنھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یاد ستا رہی ہے۔ کہیں یہ سلیم چشتی کے معترف ہیں۔ کہیں درگا جی کے درشن میں مشغول ہیں۔ کہیں کنہیا جی کی شان میں قصیدہ خواں ہیں۔ تو کہیں کرشن جی کے نغمے الاپ رہے ہیں تو کہیں گورو نانک جی کی عقیدت میں سرشار ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے نظیر کا مذہب ہی محبت، امن، رواداری اور پیار ہے۔

رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

''اپنے تنوع مضامین، اپنی ناصحانہ روش، اپنی وسیع النظری، اپنی ہر طبقہ کے ساتھ دل چسپی، اپنی خالص ہندوستانیت اور علی الخصوص ایک جدید رنگ کی ایجاد کے سبب سے نظیر

پوری طرح اس کا مستحق ہے کہ اس کو شعرائے اردو کی محفل میں ایک ممتاز جگہ دی جائے''۔[10]

نظیر نے عوام کے مسائل کو عوام ہی کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی۔ معاشرے میں موجودہ مسائل کی طرف اُن کا دل ہمیشہ سوال جواب کرتا رہا۔ نظیر نے طویل عمر پائی اور اس طویل عمر کے مشاہدات و تجربات نے اُن کے عہد کے نظامِ تمدن کے بہت سے کرشمے اُنھیں دکھائے اور اُنھیں یہ احساس ہوا کہ کائنات کی ہر شئے کا خاتمہ مادی مجبوریوں پر ہوتا ہے۔ نظیر نے اپنے وسیع تجربات و مشاہدات کی مدد سے عوام کی زندگی کے ہر پہلو کو قریب سے دیکھا۔ نظیر کے نظریات کی بنیاد انسانیت کے احترام پر ہے۔ نظیر اس خطا کے پتلے کے لیے بڑی قدر و منزلت اور عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ اس کی دل شکنی اُنھیں گوارہ نہیں۔ اُنھوں نے عوام کے ہر طبقہ کو موضوعِ سخن بنایا۔ اُنھوں نے انسان کو میلوں ٹھیلوں، بنجاروں کے ڈیروں، مٹھائی کی دکانوں، درویش، مفلس، گدا ہر صورت میں قریب سے دیکھا اور اسے اپنی شاعری میں جگہ دی۔ ہر طبقہ کو موضوعِ سخن بنا کر شاعر نے یہ ثابت کر دیا کہ ہر انسان اپنے پیشہ و مقام کے لحاظ سے توجہ کا مستحق ہے۔ اُنھوں نے خلق خدا کی زندگی سے بیگانگی برتنے کے بجائے انھیں قابل اہمیت گردانا۔ نظیر عوام کی خوشی میں خوش ہوتے ہیں ہر لحہ وہ ہندوستانی عوام کو خوش دیکھنا چاہتے تھے اس لیے جن جن چیزوں سے عوام خوش ہوتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں اس پر طبع آزمائی کرتے ہیں مثلاً تل کے لڈو، ککڑی، تربوز، تپنگ بازی، ریچھ کا بچہ، نظیر نے تمام خوشیوں کا ماخذ عوام کو قرار دیا بالخصوص ہندوستانی عوام۔ اُنھوں نے اپنی شاعری ہندوستانی عوام کے لیے وقف کر دی۔ اُنھوں نے عوام کے مختلف مشاغل اور ان کی کاروباری زندگی کے ہر پہلو کو اُبھارنے کی کوشش کی۔ نظیر کائنات میں بھی انسان کے وجود اور اس کی ذات کی عظمت پر توجہ دیتے ہیں اس کے درجے کا تعین کرنے میں سب سے اونچا مقام دیتے ہیں۔

ماٹی سے کہیں خاک کا پتلا وہ بنا ہے — یا روح بن اس خاک کے پتلے میں گھسا ہے
آپ ہی تو بنایا ہے اور آپ ہی وہ بنا ہے — حرمت سے ملائک نے اسے سجدہ کیا ہے

جس وقت کہ وہ صورت انسان میں آیا[11]

نظیر کی اس نوع کی نظمیں عوام دشمن طاقتوں کے خلاف صدائے احتجاج ہے جس کے پاس اناج ضرورت سے زیادہ ہے اور دوسرا ایک وقت کی روٹی کو ترستا ہے۔ نظیر کی نظم ''بنجارہ نامہ'' اسی تلخ حقیقت کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ نظیر کی شاعری عوام دوستی اور انسان دوستی کا واضح ثبوت ہے۔ نظیر اپنی نظموں میں مفلس عوام کے لیے جذبۂ ہمدردی رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے زخموں پر مرہم بھی لگاتے ہیں۔

نظیر کی نظموں میں عوام کی دل چسپی کا سامان موجود ہے۔ ''برسات'' ہندوستان کی عوام کا پسندیدہ موسم ہے۔ برسات میں گھنگھور گھٹاؤں اور بارش کی زیادتی کا اثر امیر اور غریب پر یکساں نہیں ہوتا۔ برسات میں امراء و رؤسا اپنے محلوں میں سکون کے ساتھ لطف اندوز ہوتے ہیں جب کہ مفلس عوام کے چہروں پر فکر و تردد کے آثار نمایاں ہوتے ہیں کہ کہیں ان کا کچا مکان بارش کی نذر نہ ہو جائے۔

کتنوں کو محلوں کے اندر، ہے عیش کا نظارہ — یا سائبان متھرا، یا بانس کا اُسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا — مفلس بھی کر رہا ہے، پو لے تلے گزارا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں[12]

نظیر عام اور مفلس انسان کی زندگی کے آلام و مصائب میں بھی دل چسپی لیتے ہیں۔ ان کے دور میں ملک کی معاشرتی صورتِ حالات بھی اقتصادی صورتِ حالات سے بہت متاثر ہو چکی تھی۔ لوگوں کے اخلاق و عادات، طریقِ معاشرت بھی معاشی ناہمواری کی زد میں آ کر اپنے اصلی خدوخال کھو بیٹھے تھے۔ محبت و مروت کے جذبات پر ہوسِ زر نے غلبہ پا لیا تھا۔ نظیر نے تہی دست عوام کی محرومیِ قسمت

کے نقشے پیش کیے ہیں۔

کتنوں کے دل میں دُھن ہے کہ زر ہی کمایئے　　کچھ کھایئے کھلایئے اور کچھ بنایئے
کہتا ہے کوئی ہائے کہاں زر کو پایئے　　کیا کیجیے زہر کھایئے اور مر ہی جایئے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکار رہا ہے دن رات ہائے زر![13]

نظیر نے جہاں زرداروں کی نفس پروری کو ظاہر کیا ہے وہیں عام طبقات کی الم انگیز زندگی، ان کی حسرتوں، مایوسیوں، ناتمام آرزوؤں کی پایمالی کا ذکر بھی کیا ہے۔

نظیر امیر غریب، مسلمان، ہندو، سکھ اور عیسائی وغیرہ کی تخصیص کو قومی اتحاد اور یک جہتی کے لیے رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ ان کی نظم ''آدمی نامہ'' اس تخصیص، سماجی تفوق اور عدم مساوات کی مکمل عکاسی کرتی ہے۔ شاعر نے اس نظم میں انسان کی تمام کمزوریوں اور طاقتوں کو بے نقاب کیا ہے:

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار و بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی[14]

نظیر نے اس نظم میں کائنات کی اس حقیقت کو اُجاگر کرنے کی سعی کی ہے کہ بادشاہ، مفلس، گدا، ولی، منکر، عابد، زاہد، کافر و مسلمان بلا تفریق جاہ و منصب اور دولت و عزت سب آدمی ہیں۔

دنیا کو ''دارالمکافات'' کہا گیا ہے اس امر سے ہر ذی روح واقف ہے نظیر کے سمجھانے کا ڈھنگ مختلف ہے۔ وہ اپنے قارئین کو بہترین دوست سمجھتے ہوئے اُنھیں شیریں انداز میں سمجھاتے ہیں کہ ذہنوں پر ان مٹ نقش ثبت ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں دنیا کا نقشہ کھینچنے کے بعد دل پذیر انداز میں نصیحت کرتے ہیں جو کانوں کو بھلی لگتی ہے۔

اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر تیرا بھی نقصان ہووے گا اس بات اوپر دھیان کر کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی پیے تو چھان کر یاں پانوں کو رکھ پھونک کر اور خوب سے گزران کر
کلجگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے[15]

نظیر درویش منش انسان تھے۔ ان کی شاعری میں اخلاقی موضوعات کا کثرت سے بیان ملتا ہے۔ نیکی کی تلقین کرتے وقت اُن کا انداز واعظانہ نہیں ہوتا بل کہ وہ مؤثر اور مخلصانہ انداز میں اپنے قارئین کو نصیحت کرتے ہیں کیوں کہ وہ سچے خیر اندیش ہیں وہ ابن آدم کو برائیوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ نظیر اپنے مقصد کی ترجمانی سادہ مگر مؤثر انداز میں کرتے ہیں۔

گر اچھی کرنی نیک عمل دنیا سے لے کر جاؤ گے تو گھر بھی اچھا پاؤ گے اور اس میں سکھ بھی پاؤ گے اور ایسی دولت چھوڑ کے تم خالی ہاتھوں آؤ گے کچھ بات نہیں بن آئے گی گھبراؤ گے پچھتاؤ گے
تن سوکھا ، کبڑی پیٹھ ہوئی ، گھوڑے پر زین دھرو بابا

اب موت نقارا باج چکا ، چلنے کی فکر کرو بابا[16]

نظیر ایک مبصر اور معلم کی حیثیت سے معاشرے کے معائب ومحاسن کو من وعن پیش کرتے ہیں۔ اُنھیں بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ ناصحانہ انداز قارئین کو ناگوار گذرتا ہے تو وہ ناصحانہ انداز چھوڑ کر خود بھی اس صف میں شامل ہو جاتے ہیں تا کہ قارئین کو احساس نہ ہو کہ نظیر بھی مبلغ اخلاق ہے۔

باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ ان کو جانیو یارو نصیحتیں ہیں انھیں دل سے مانیو یارو
ہاں کو جاؤ یہ قصہ لکھائیو یارو جو جواری ہو نہ برا اس کو مانیو یارو
نظیر آپ بھی ہے جواریا دوائی کا[17]

نظیر کا دور انتشار اور پراگندگی کا دور تھا۔ چند طاقت ور عناصر تو عیش ونشاط کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن فن کار اہلِ حرفہ مفلوک الحال عوام مسائل میں مبتلا تھے۔ اس مسئلے سے نبرد آزما ہونے کے لیے نظیر نے عوام کو تسلیم ورضا کا درس بھی دیا۔ نظیر پر آشوب دور میں زندگی سے نباہ کی ایک صورت نکالتے ہیں کہ زندگی کے ہر غم اور خوشی سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو تسلیم ورضا کا خوگر بنا لیا جائے۔ ہندوستان کی معاشرتی زندگی کی جھلک کے بعد ایک حساس شاعر سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ کہتے ہیں:

جو فقیر ہیں پورے ہیں وہ ہر حال میں خوش ہیں ہر کام میں ہر دام میں ہر حال میں خوش ہیں
گر مال دیا یار نے تو مال میں خوش ہیں بے زر جو کیا تو اسی احوال میں خوش ہیں
افلاس میں ادبار میں اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں[18]

نظیر انسانی زندگی کے سچے نقاش ہیں۔ ڈاکٹر طلعت حسین نقوی لکھتے ہیں:

''ان کی شاعری کی عظمت کا راز انسانی ہمدردی میں پوشیدہ ہے۔ وہ فطرت نگاری کرتے وقت، مصوری کرتے وقت، طنز کرتے وقت، غم اور خوشی کے وقت، اپنے سامنے زندگی کا ایک آدرش رکھتے ہیں اور یہ ہے ہندوستانی عوام کی ساری کی ساری زندگی۔ اُنھوں نے مناظر قدرت سے متعلق جتنی بھی نظمیں لکھی ہیں اُن سب میں انسان اور انسانی زندگی کی چہل پہل محسوس ہوتی ہے''۔[19]

نظیر کا فلسفہء حیات اُن کی شاعری اسی عہد کے رجحانات کی عمدہ عکاسی کرتی ہے۔ خوش طبعی کے باوجود نظیر فنا و بے ثباتی کے اس تلخ احساس کو نظر انداز نہیں کرتے۔ نظیر لوگوں کو احساس دلاتے ہیں کہ یہ دنیاوی مراتب ومناصب حقیقی نہیں دولت اور غربت کا سوال بے بنیاد ہے۔ دکھ سکھ، چین وراحت، مسرت وانبساط عارضی وناپایدار ہیں۔ سب حاصل ولاحاصل کا انجام نقش برآب ثابت ہوں گے۔ نظیر مصلحانہ انداز میں مساوات کا درس دیتے ہوئے اس امر کا احساس دلاتے ہیں کہ انسان کو مفلسی میں دل شکستہ نہیں ہونا چاہیے کہ زندگی ہی بے کیف و بے رنگ نظر آنے لگے اور نہ ہی لھو ولعب اور مسرت وانبساط میں اتنا کھو جانا چاہیے کہ اصل مقصد ہی فراموش ہو جائے۔ نظیر نے فنا اور بے ثباتی کے مضمون کو متعدد بار نظموں کا موضوع بنایا۔ لکھتے ہیں:

کتنے دنوں یہ غُل تھا نواب ہیں یہ خاں ہیں　　یہ ابن پنج ہزاری یہ عالی خاندان ہیں
جاگیر و مال و منصب سب آج ان کے ہاں ہیں　　دیکھا تو اک گھڑی میں نے نام و نشاں ہیں
دو دن کا شور و چرچا گھر گھر ہوا تو پھر کیا[۲۰]

نظیر موقع و محل کی مناسبت سے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ سامع پر اس کا خاص اثر ہو اور قاری لطف و انبساط یا خوف و ہراس کی تمام کیفیات الفاظ میں محسوس کرنے لگے۔ مثلاً برسات کی رنگ رلیوں کا ذکر ایک جگہ اس طرح کرتے ہیں:

روز مروں سے رات کو برسے تھا مینہ جھمک جھمک　　بوندیں پڑیں، ٹپک ٹپک، پانی پڑا جھپک جھپک
جام رہے چھلک چھلک، شیشے رہے بھبک بھبک　　ہم بھی نشوں میں خوب چھک، لوٹتے تھے بہک بہک[۲۱]

نظیر عوام کے تلفظ کے مطابق مقامی الفاظ استعمال کرتے ہیں کیوں کہ اُنھوں نے انسان، فطرت اور انسانی زندگی کا غائر مطالعہ کیا پھر اسے عمدہ منظر کشی اور جزئیات کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا۔ عبدالباری آسی رقم طراز ہیں:

''نظیر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ طبقہ عوام کا شاعر تھا..... مگر میری رائے میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ عامۃ الناس کا شاعر تھا اور اس میں کسی طبقہ کی تخصیص نہیں ہے، کیوں کہ اس کے کلیات میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کی دل چسپی کا سامان پایا جاتا ہے''۔[۲۳]

نظیر کی شاعری کے موضوعات اور الفاظ اس طبقہ کی نمایندگی کرتے ہیں جسے اس دور کے خاص خاص مشاہیر شعرا نے پست سمجھ کر ٹھکرا یا تھا اور نا قابل توجہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ نظیر نے ایسے ہی الفاظ اور طبقہ کو اپنے اشعار میں جگہ دی اور دنیا پر واضح کر دیا کہ ان میں وہ اوصاف موجود ہیں جن کو ظاہر بین نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ نظیر عوام کے رمز شناس ہیں وہ ان سے بات کرنے کے لیے انھی کی زبان و اسلوب اختیار کرتے ہیں کیوں کہ خواص کی زبان استعمال کرنے سے مکمل مطلب تک آگہی ممکن نہ تھی۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''نظیر زبان کو سیّال صورت میں استعمال کرتا ہے۔ ہندی اور فارسی الفاظ کے بلا کم و کاست پیوند لگاتا ہے۔ عطف و اضافت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا اور عوامی محاورے کو عوامی لہجے میں ہی قبول کرتا ہے چناں چہ نظیر کے ہاں..... ایک ایسی زبان ضرور نظر آتی ہے جس میں زندگی کا تحرک اور ترنم موجود ہے''۔[۲۴]

نظیر نے اپنے دور کی مروّجہ روایت مثلاً عربی فارسی کی تقلید سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا اور اپنے اصلی رنگ کو ہندوستانی فضا اور اشیا میں ظاہر کیا۔ نظیر نے لفظ کو زندگی عطا کی ان کی شاعری میں لفظ متحرک ہیں انھوں نے اپنے گرد و پیش کے حالات و واقعات اور مقامی رنگ کو پیش کیا۔

رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

''نظیر نے بھی معمولی معمولی چیزوں کی ہو بہو تصویریں، جن کی گنجایش شعر میں مطلق نہ تھی، سیدھے سادے مؤثر الفاظ میں کھینچ دی ہیں، جس سے ان کا کلام عوام الناس میں بہت مقبول ہے۔ اس مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فارسی کے دقیق لفظ اور ترکیبیں اور

پیچیدہ تشبیہیں اور استعارے اُن کے کلام میں کہیں نہیں۔ان کی تحریر سادہ اور بے تکلف اور
اُ ن کا بیان صاف اور اصلیت کے مطابق ہوتا ہے''۔ ۲۵

نظیر کی شاعری کے غائر مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اُنھوں نے عوام کی معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو انسان دوست شاعر کی نظر سے دیکھا۔اُنھوں نے اپنے عہد میں انسانی قدروں کے زوال اور ابن آدم کی بے قدری کو محسوس کیا اور اپنا فرض ایک معلم اور شاعر کے طور پر ادا کیا۔کبھی معلم کے طور پر تلقین کی اور کبھی حساس فن کار نے لوگوں کے بطون میں جھانک کر ان کی حالت زار کو بیان کیا۔کبھی ان کے جذبات واحساسات کی عکاسی کی۔کبھی لوگوں کی رودادِ غم میں عام معاشرتی انسان کی حالت زار کا جائزہ بھی لیا۔نظیر نے اپنی نظموں میں انسان اور انسانی زندگی کے ہر گوشے کو کہیں حقیقی، کہیں افسانوی، کہیں مزاحیہ اور کہیں طنزیہ انداز میں بے نقاب کرنے کی کوشش کی۔نظیر بنی نوعِ انسان کو حکیمانہ، فلسفیانہ اور متصوفانہ خیالات کے ذریعے دنیا و آخرت کے تلخ حقائق سے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں بل کہ دردمندی اور عبرت کے تاثرات اُبھار کر لوگوں کو ایک بہتر انسان بننے کی ترغیب بھی دیتے ہیں۔ڈاکٹر سیّد طلعت حسین نقوی لکھتے ہیں:

''اُنھوں نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کا مشاہدہ بہت قریب سے کیا اور انسان کو کامیاب
زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا۔ان کی شاعری گل وبلبل کی شاعری نہیں بل کہ انسانی زندگی
کی مکمل تصویر ہے جس میں ہر انسان اپنے خدوخال بہ آسانی دیکھ سکتا ہے''۔ ۲۶

نظیر کو عوام سے یک گونہ محبت تھی اس لیے عوام کے ہر عمل میں شریک ہوتے۔آپ نے اکثر نظمیں مثلاً عید، آدمی نامہ، ہنس نامہ، برسات، انجام، ریچھ کا بچہ وغیرہ صرف عوامی فرمایش پر لکھیں۔نظیر کی یہ نظمیں عوام دوستی کی مظہر ہیں۔اُنھوں نے اپنے ہر موضوع کو عوامی نقطۂ نظر سے دیکھا، سوچا اور بیان کیا۔سنبل نگار کا خیال ہے:

''نظیر نے عوام اور ان کی زندگی کے متعلق عوامی زندگی میں بہت سی نظمیں لکھی ہیں اس لیے
انھیں عوام کا شاعر کہا گیا ہے''۔ ۲۷

نظیر کی نظموں میں تعصب سے نفرت اور بنی نوعِ انسان سے محبت کا درس ملتا ہے۔نظیر اتنے وسیع القلب تھے کہ انسانی خامیوں پر بھی مسکراتے تھے۔نظیر زندگی کے ہر میلے میں ایک مبصر کے روپ میں بنفسِ نفیس شریک ہوتے۔اُنھوں نے اپنے گردوپیش کی چیزوں کا گہرا مشاہدہ کیا اور اپنی شاعری میں حقیقت کا رنگ کامیابی سے بھرا۔عوامی زبان کو سمجھا اور عوام کے احساسات وجذبات کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرا۔ بالآخر عوام نے ہی نظیر کی شاعری کو سمجھا اور بالآخر انھیں عوامی شاعر کا رتبہ بھی دیا۔

حوالہ جات

۱ :۔ نظیر اکبرآبادی،عبدالباری آسی (مرتبہ)،''کلیاتِ نظیر''،مکتبہ شعروادب، لاہور،ص۶۸۳۔
۲:۔ ایضاً۔
۳ :۔ نظیر اکبرآبادی،عبدالباری آسی (مرتبہ)''کلیاتِ نظیر''،مکتبہ شعروادب، لاہور،ص۴۱۔
۴:۔ ایضاً،ص۶۵۷۔
۵:۔ ایضاً،
۶:۔ ایضاً،۶۶۷۔
۷:۔ ایضاً،ص۴۱۴۔
۸:۔ رام بابوسکسینہ،''تاریخِ ادبِ اردو''،مطبع منشی نول کشور،لکھنؤ،ص۳۵۱۔
۹ :۔ نظیر اکبرآبادی،عبدالباری آسی (مرتبہ)''کلیاتِ نظیر''،مکتبہ شعروادب، لاہور،ص۵۲۴۔
۱۰:۔ رام بابوسکسینہ،''تاریخِ ادبِ اردو''،مطبع منشی نول کشور،لکھنؤ،ص۳۵۱۔
۱۱:۔ نظیر اکبرآبادی،عبدالباری آسی (مرتبہ)''کلیاتِ نظیر''،مکتبہ شعروادب، لاہور۔
۱۲:۔ ایضاً،ص۵۵۳۔
۱۳:۔ ایضاً،
۱۴:۔ ایضاً،
۱۵:۔ ایضاً،ص۵۹۹۔
۱۶:۔ ایضاً،
۱۷:۔ ایضاً،
۱۸:۔ ایضاً،ص۶۲۲۔
۱۹:۔ ڈاکٹر طلعت حسین نقوی،''نظیر اکبرآبادی کی نظم نگاری''،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی،۱۹۹۲ء،ص۱۱۲۔
۲۰:۔ ایضاً،
۲۱:۔ ایضاً،ص۵۲۴۔
۲۲:۔ ایضاً
۲۳:۔ عبدالباری آسی،محولہ بالا۳۰،
۲۴:۔ ڈاکٹر انور سدید،''اردو ادب کی تحریکیں''،انجمن ترقی اردو پاکستان،۲۰۰۷ء،ص۲۲۲،۲۲۳۔
۲۵:۔ رام بابوسکسینہ،''تاریخِ ادبِ اردو''،مطبع منشی نول کشور،لکھنؤ،ص۳۵۲۔
۲۶:۔ ڈاکٹر سید طلعت حسین نقوی،
۲۷:۔ ڈاکٹر سنبل نگار،''اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ''،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،۲۰۰۸ء،ص۲۲۲۔